34

اگر تم سچے احمدی بن جاؤ تو بارہ مہینے نہیں گزریں گے کہ تمہاری طاقت اور شوکت پہلے سے کئی گُنا بڑھ جائے گی

(فرمودہ 26 ستمبر 1947ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جس طرح دنیا میں خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت کبھی نہیں بدلا کرتا اسی طرح خدا تعالیٰ کا قانونِ شریعت بھی کبھی نہیں بدلا کرتا۔ تغیرات ہوتے ہیں مگر ایک دائرہ اور حد کے اندر ہوتے ہیں۔ کسی وقت بارشیں بے تحاشا بھی ہو جاتی ہیں اور کبھی بارشیں بالکل خشک بھی ہو جاتی ہیں اور دنیا میں سبزی اور تروتازگی کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔ لیکن بارشوں کے بعد پھر خشکی کا زمانہ ضرور آتا ہے اور خشکی کے بعد پھر بارشوں کا زمانہ ضرور آتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے بارشوں کا سلسلہ جاری کیا ہو اور پھر خشکی دنیا سے اٹھ جائے یا خدا تعالیٰ نے خشکی کا زمانہ جاری کیا ہو اور پھر بارشیں دنیا سے اٹھ جائیں۔ رات آتی ہے تو اس کے بعد دن کا آنا ضروری ہوتا ہے اور دن آتا ہے تو اس کے بعد رات کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر کبھی کبھی انسان ایک ایسے غیر طبعی ماحول میں سے گزرتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کے قانون بھول جاتے ہیں۔ ہندوستان بھی ایک لمبے غیر طبعی امن میں سے گزرا ہے۔ یوں امن کے دَور انگلستان پر بھی آئے ہیں مگر انگلستان اپنے ملک کا آپ حاکم تھا اور اس امن کے زمانہ میں بھی وہ اپنی قوم کی تیاری میں مصروف تھا۔ وہ اپنی قوم کے حوصلوں کو بلند کر رہا تھا اور اس کے لیڈر اسے بار بار کہتے کہ تم پوری طرح تیار رہو ایسا نہ ہو

کہ دشمن تم پر حملہ آور ہو جائے۔ اس طرح گو لڑائی نہ ہوتی تھی مگر لڑائی کی آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی رہتی تھیں۔ گو قوم خطرے میں گھری نہیں ہوتی تھی مگر خطرے میں گھرنے کا احتمال ہر وقت ان کے پیشِ نظر رہتا تھا۔ اس لئے جنگی روح اس قوم کی زندہ رہتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان ڈیڑھ دوسو سال ایک غیر قوم کے ماتحت بظاہر امن میں رہا لیکن وہ امن ہندوستان کے افراد کی روح کو کچلنے والا تھا۔ یوں انگلستان میں بھی امن تھا اور ہندوستان میں بھی امن تھا مگر انگلستان کے مدبّر ہمیشہ انگلستان والوں کو ہوشیار کرتے رہتے، ان کے اندر جنگی سپرٹ (SPIRIT) پیدا کرتے رہتے اور انہیں بتاتے کہ قومی قربانیوں کے لئے تمہیں تیار رہنا چاہیئے۔ مگر یہاں نہ صرف امن تھا بلکہ حکومت خود لوگوں کو سُلاتی اور کہتی کہ تمہیں فکر کی کیا ضرورت ہے ہم تمہارا پہرہ دے رہے ہیں تم بے شک سو جاؤ۔ اور جنگی خیالات پیدا ہونے کو وہ بد اخلاقی اور بغاوت قرار دیتی۔ گویا کچھ لوگوں کو قانون سے ڈرا کر اور کچھ لوگوں کو اخلاق سے ڈرا کر غفلت کی نیند سُلا دیا گیا۔ پس ہم لوگوں کی ذہنیت ایک غیر طبعی ذہنیت ہے۔ چنانچہ وہی چیزیں جو غیر ملکوں میں بالکل معمولی سمجھی جاتی ہیں ہمیں بہت زیادہ بھیانک اور ڈراؤنی معلوم ہوتی ہیں۔ ہم میں سے جب کسی کی جائیداد تباہ ہوتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر وہ آفت آئی ہے جس کی مثال اور کہیں نہیں مل سکتی۔ حالانکہ ہماری زندگیوں میں دو دفعہ جرمن قوم کی جائیداد بالکل تباہ ہوئی ہے۔ اور آٹھ دس سال میں ہی وہ گزشتہ جنگ کے بعد پھر کروڑ پتی بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بنی ہے۔ وہ مرتے تھے مگر اپنا مرنا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور ہم مرنے سے پہلے ہی اپنی موت تسلیم کر لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں ہوا ہی کرتی ہیں اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہو گیا تو کیا ہوا۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں نہیں ہوا کرتیں۔ اس لئے بغیر اس کے کہ ہم مغلوب ہوں ہم اپنی کمرِ ہمت کو توڑ دیتے اور اپنی موت اور شکست کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ درحقیقت وہ غیر طبعی امن جو ہندوستان کو حاصل رہا نہ کبھی امن قائم کر سکتا ہے اور نہ علم قائم کر سکتا ہے۔ نہ حوصلہ پیدا کر سکتا ہے نہ جرأت اور بہادری پیدا کر سکتا ہے۔ ورنہ ہمت والا انسان جاتا اور موت کے منہ میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے اور پھر خدا تعالیٰ اسے موت سے بچا بھی لیتا ہے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ قافلے آتے ہیں۔ ان پر گولیاں چلتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ قافلہ والے تین تین چار چار ہزار بلکہ اس

سے بھی زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ کے سپاہی صرف پندرہ بیس ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ سپاہی لڑائی کے عادی ہوتے ہیں اس لئے پھر بھی ان میں سے اکثر اپنی جان بچا کر لے آتے ہیں۔ آخر یہ تو کوئی قانون نہیں کہ جس کے ہاتھ میں بندوق ہو اُسے گولی نہ لگے۔ اگر کسی کے ہاتھ میں توپ بھی ہو اور اسے گولی آ لگے تو وہ مر جائے گا۔ بات یہ ہے کہ سپاہی کو گولی سے بچنے کا ڈھنگ آتا ہے اس لئے وہ نڈر ہو کر جاتا اور بسا اوقات بچ کر نکل آتا ہے۔ مگر یہاں یہ حالت ہے کہ گولی چلتی ہے تو لوگ اِدھر اُدھر جھانکتے اور بھاگنے کا راستہ تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب مارے جاتے ہیں۔ بیسیوں واقعات گورداسپور اور دوسرے اضلاع میں ایسے ہوئے ہیں کہ سکھوں نے گاؤں پر حملہ کیا تو اندر سے عورتیں اور بچے بے تحاشا بھاگ نکلے اور اس طرح نوّے فیصدی وہی لوگ مارے گئے جو ڈر کر بھاگے تھے۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ ان کو لڑائی کی عادت نہیں تھی اور جنگی روح ان میں مفقود ہو چکی تھی۔

پس یہ چیز جہاں مصیبت ہے وہاں اس مصیبت نے ہمارے لئے ایک برکت کا راستہ بھی کھول دیا ہے اور اب ہم آسانی کے ساتھ انسانیت کے اس معیار پر آسکتے ہیں جو ساری دنیا میں جاری ہے۔ جو معیار انگلستان کے انسان کو حاصل ہے، جو معیار امریکہ کے انسان کو حاصل ہے، جو معیار فرانس کے انسان کو حاصل ہے، جو معیار جرمنی کے انسان کو حاصل ہے، جو معیار روس کے انسان کو حاصل ہے۔ وہ اب ہم کو بھی ملنے لگا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اب ہمیشہ امن رہے گا۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ امن کے ساتھ خوف بھی طاری ہوگا اور خوف کے مقابلہ کی تیاری ہمارے اپنے ہاتھ میں ہوگی۔ جیسے انگلستان پر خوف آتا ہے تو اُس کا علاج اُس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ پہلے ہندوستان پر خوف کا وقت آتا تو انگلستان کہتا کہ اس خوف کا مقابلہ ہم کریں گے مگر اب ہمیں خود سوچنا پڑے گا کہ ہم کس طرح دشمن کے حملہ سے بچ سکتے ہیں۔ یہ دماغی کیفیت جلدی پیدا نہیں ہوسکتی۔ مگر کچھ دنوں کے بعد یہ خوف ہم میں وہ انسانی ذہنیت ضرور پیدا کر دے گا جو آزاد انسان کی ذہنیت ہوا کرتی ہے۔ پہلے ہماری محض زنانہ حیثیت تھی جیسے پردہ دار عورت اپنے سارے کام خاوند کے سپرد کر دیتی ہے ہم نے بھی اپنے سارے کام انگریزوں کے سپرد کر دیئے تھے۔ اور جس طرح وہ عورت ہمارے جیسے ہاتھ، ہمارے جیسے پاؤں، ہمارے جیسا دماغ،

ہمارے جیسا ناک، ہمارے جیسے کان اور ہمارے جیسا دل رکھنے کے باوجود بالکل بے کس اور بے بس ہوتی ہے۔ اِسی طرح ہم بھی انگریزوں جیسے ہاتھ، انگریزوں جیسے پاؤں، انگریزوں جیسے سر، انگریزوں جیسے دماغ، انگریزوں جیسے ناک اور کان رکھنے کے باوجود بالکل بے کس اور بے بس تھے۔ کیونکہ ہمارے ہاتھ اور ہمارے پاؤں اور ہمارے دل اور ہمارے دماغ اور ہمارے باقی اعضاء کو کام کرنے کی عادت نہیں ڈالی گئی تھی اور ہم نے اُن خطرات میں اپنے آپ کو نہیں ڈالا تھا جن خطرات میں اپنے آپ کو اب ڈالا ہوا ہے۔ پس یہی مصیبت ہمارے لئے رحمت کا ذریعہ بن سکتی ہے اگر ہم اسے رحمت کا ذریعہ بنا لیں۔ جیسے طالب علم کالج میں جاتا ہے تو اسے نئے نئے علوم پڑھنے پڑتے ہیں۔ اِسی طرح یہ جماعت ایسی ہے جس میں ہندوستانی ابھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ خدا نے انہیں اس جماعت میں داخل کر دیا ہے۔ اور داخل بھی ایسے رنگ میں کیا ہے جیسے کہتے ہیں ''سر منڈواتے ہی اولے پڑے'' لوگوں کو یہ سبق آہستہ آہستہ ملا مگر ہم کو فوراً مل گیا۔ گویا یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قرضہ تھا جو ہمیں فوراً واپس کرنا پڑا۔ ہر غیر طبعی امن والا سال جو ہم پر گزرا ہے، ہر غیر انسانیت والا سال جو ہم پر گزرا، ہر غیر شعوری سال جو ہم پر گزرا اس کے مقابلے میں اتنے ہی فکر اور اتنی ہی بلائیں اور اتنی ہی مصیبتیں خدا تعالیٰ ہمارے کھاتے میں ڈالتا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ہم تمہیں یہ سب مصیبتیں اکٹھی دیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو وہ تمام حساب ہم کو اکٹھا مل گیا۔ یہ لازمی بات ہے کہ اگر کسی پر قرضہ ہو اور وہ ایک روپیہ آج ادا کرے، دو روپے کل دے، تین روپے پرسوں ادا کرے تو وہ قرضہ آسانی سے اُتار سکتا ہے لیکن اگر کسی پر اکٹھی بیس پچیس ہزار کی ڈگری ہو جائے تو اُسے سخت مشکل نظر آتی ہے۔ ہم پر بھی اکٹھی ڈگری ہو گئی ہے اور اس کی ادائیگی ہمارے لئے مشکل ہو گئی ہے لیکن بہرحال خدا نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ انگلستان کے لوگ برابر ہر سال اس قسم کے فکر اپنے اوپر لادتے رہے۔ فرانس کے لوگ برابر ہر سال اس قسم کے فکر اپنے اوپر لادتے رہے اور وہ اپنا اپنا حصہ قسط وار ادا کرتے رہے مگر ہمیں بجائے قسط وار ادا کرنے کے اکٹھی رقم ادا کرنی پڑی۔

پس ہمیں اپنی پوزیشن اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی۔ روحانی طور پر تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان ابتلاؤں کے ذریعہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے ہر شخص مسیح موعود علیہ السلام کے مقام پر کھڑا ہے یا نہیں۔ تم میں سے بعض لوگ ان

مصائب کو دیکھ کر کتنا ڈر رہے ہیں۔ مگر کیا تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے یہ مصائب اُن مصائب کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سلسلہ کے قیام کے وقت برداشت کئے تھے۔ جس دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا تھا اُس دن جو کیفیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل کی ہوگی اگر وہی کیفیت ہم اپنے دل میں پیدا کر لیں اور ہم آپ کے سچے پَیرو بن جائیں تو ہمارے دل کے حوصلے بلند ہونے چاہئیں۔ اور ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جو کام ہمارے آقا نے کیا تھا وہی کام کرنا ہمارا فرض ہے۔ وہ اکیلے تھے مگر ہم اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں ہیں۔ بے شک ہمارے کچھ حصہ کی جائیدادیں تباہ ہوئی ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی جائیدادیں جو مشرقی پنجاب میں تھے۔ مگر ہماری مغربی پنجاب کی جائیدادیں تباہ نہیں ہوئیں اگر قربانی کی ہم میں سچی روح ہے تو جیسا کہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ آئندہ کے لئے تمہارا مال تمہارا نہیں بلکہ خدا کا ہے۔ جو کچھ تم کماؤ گے وہ سب کچھ خدا کا مال ہوگا۔ تمہیں اس میں سے صرف روٹی ملے گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی نہ ملے۔ یا جیسے مَیں نے کہا تھا تمہارا فرض ہے کہ تبلیغ کرو اور بھیک مانگ کر گزارہ کرو۔ تم پندرہ پندرہ دن تبلیغ کے لئے وقف کرو اور اس رنگ میں وقف کرو کہ سلسلہ سے ایک پیسہ بھی نہ لو تاکہ اگر خدا تعالیٰ کے لئے تمہیں کسی وقت بھیک مانگنی پڑے تو تم اس کے لئے تیار رہو۔ اور تا خدانخواستہ ہماری مغربی پنجاب کی جائیدادیں بھی کسی وقت ابتلاء میں آجائیں تو ہم میں سے ہر شخص مبلغ ہو اور اسے عادت ہو کہ وہ بھیک مانگے اور تبلیغ کرے۔ ہمارے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کا نمونہ موجود ہے۔ اور انبیاء کے متعلق تو تم کہہ سکتے ہو کہ وہ پرانے انبیاء ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے ان کے نمونہ کو نہیں دیکھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات تو تمہارے سامنے گزرے ہیں۔ اور اگر تم نے اُن کو نہیں دیکھا تو کم سے کم دیکھنے والوں نے اُن واقعات کو دیکھا اور وہ واقعات اتنے قریب کے ہیں کہ دشمن بھی ان کا انکار نہیں کرسکتا۔ پھر تمہارے لئے کونسی مشکل ہے۔ نمونہ تمہارے سامنے موجود ہے تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس نمونہ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لو۔ اگر تم حقیقی اور سچے احمدی بن جاؤ تو میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ بارہ مہینے انسان کے گِنے ہوئے ٹھیک بارہ مہینے نہیں گزریں گے اور تمہاری طاقت اور شوکت پہلے سے کئی گُنا بڑھ

جائے گی۔ انسان کو اپنے اندر صرف ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اپنے ایمانوں کا جائزہ لو، سچائیوں پر قائم ہو جاؤ، راستی اور صداقت کو اپنا شعار بناؤ، خدا کے ذکر میں مشغول رہو، اس کی معرفت اپنے اندر پیدا کرو تا کہ خدا تم کو نظر آ جائے اور اسی دنیا میں وہ تم کو اپنا جلوہ دکھا دے۔ جب تک خدا نظر نہیں آتا دنیا کی مصیبتیں پہاڑ اور اس کے ابتلاء بے کِنارہ سمندر نظر آتے ہیں۔ مگر جب خدا نظر آ جاتا ہے تو اسکی نگاہ میں یہ ساری چیزیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ تب ایک ہی چیز اس کے سامنے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قول پورا ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے قول کے مقابلہ میں نہ حکومتیں کوئی حقیقت رکھتی ہیں نہ بادشاہتیں کوئی حقیقت رکھتی ہیں اور نہ جائیدادیں کوئی حقیقت رکھتی ہیں۔ وہ ہنستا ہوا جاتا اور اپنی قربانی پیش کر کے خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب ہمارے جیسے ہی ایک انسان تھے۔ کیا ان کے جسم میں حِس نہیں تھی اور ہمارے اندر ہے؟ کیا ان کے بیوی بچے نہیں تھے اور ہمارے بیوی بچے ہیں؟ یہاں تو صرف عوام الناس کی شرارت ہے۔ اوپر کی گورنمنٹ کم سے کم منہ سے اب تک یہی کہتی چلی آ رہی ہے کہ ہم اقلیتوں کا تحفظ چاہتے ہیں۔ مگر وہاں یہ حالت تھی کہ حکومت تک ان کی مخالف تھی۔ آخر بادشاہ نے ان کو بلا کر کہا دیکھیں مولوی صاحب! میرے دل میں آپ کا بڑا ادب ہے اور میں آپ کو چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن اگر یونہی چھوڑ دوں تو مولوی میرے مخالف ہو جائیں گے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ جب آپ سے پوچھا جائے کہ کیا آپ قادیانی ہیں؟ تو آپ خواہ دل میں کچھ عقائد رکھیں زبان سے کہہ دیں کہ مَیں قادیانی نہیں ہوں اِس طرح میں آپ کو آسانی سے چھوڑ سکوں گا۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف نے کہا بادشاہ! تمہیں جان کی قیمت معلوم ہوتی ہوگی مجھے تو اس کی کوئی قیمت معلوم نہیں ہوتی اور مَیں تو یہ قربانی پیش کرنے کے لئے ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔ مجھے تو پہلے بھی کہا گیا تھا کہ مَیں احمدیت کا اظہار نہ کروں مگر میں نے انکار کر دیا۔ دراصل گورنر جس کے سامنے وہ پہلی دفعہ پیش ہوئے وہ بھی ان کے شاگردوں میں سے تھا۔ جب آپ اُس سے ملے تو اس نے بھی کہا کہ آپ یہاں سے بھاگ جائیے ورنہ آپ کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ صاحبزادہ صاحب نے کہا تمہاری ہتھکڑیاں کہاں ہیں لاؤ اور میرے ہاتھوں میں پہناؤ۔ مجھے تو آج رات خدا نے بتایا ہے کہ مجھے سونے کے کنگن ڈالے جائیں گے۔ پس مَیں اپنی موت

سے نہیں ڈرتا۔مَیں تو قوم کی نجات کے لئے اپنی جان پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پھر جب اُنہیں پتھراؤ کیا گیا تو اُس وقت بھی ان کے دل میں اپنی قوم کا کوئی کینہ اور بُغض نہیں تھا بلکہ سنگسار کرنے سے پہلے جب انہیں گاڑنے لگے اور گاڑتے اس لئے ہیں کہ پتھروں کے ڈر سے انسان بھاگ نہ جائے تو صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ میں بھاگتا تو نہیں مجھے گاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر جب ان پر پتھر پڑنے لگے تو دیکھنے والوں کی گواہی ہے کہ صاحبزادہ صاحب بلند آواز سے یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ اے میرے رب! میری قوم پر رحم کر کیونکہ وہ جہالت سے ایسا کر رہی ہے۔ یہ وہ شاندار چیزیں ہیں جو قوموں کو زندہ کیا کرتی ہیں۔ بے شک صاحبزادہ صاحب مر گئے مگر کیا انہوں نے مرنا نہیں تھا۔ اگر وہ عام لوگوں کی طرح بستر پر مر جاتے تو کیا ہم ان کا ذکر کر کے جماعت میں جوش پیدا کر سکتے تھے؟ کیا ہم یہ کہتے کہ دیکھو فلاں مولوی نے بستر پر جان دی؟ اگر ہم ایسا کہتے تو کیا لوگوں پر اس کا کوئی بھی اثر ہوتا۔ وہ کہتے ایک مولوی تھا جو مر گیا۔ دنیا میں بہتیرے مولوی مرتے رہتے ہیں اگر وہ بھی مر گیا تو کیا ہوا۔ درحقیقت اس قسم کی قربانی ہی ہوتی ہے جو قوم کے نوجوانوں کو زندہ کیا کرتی ہے۔ بے شک ان میں کمزور بھی ہوتے ہیں مگر نوجوان جب اس قسم کے نمونہ کو دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کیسا اچھا انجام تھا۔ آؤ ہم بھی ایسی ہی قربانی کریں۔

پس تم اپنے اندر ہمت پیدا کرو اور خدا تعالیٰ پر یقین رکھو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

تیرے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنیوالی ہے[1]

پس آگیں ہمارے لئے بھڑکائی جائیں گی۔مگر ہوا کیا؟ اصل چیز تو وہ صداقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء دنیا میں لایا کرتے ہیں۔کیا خدا تعالیٰ کے نبی مارے نہیں گئے؟ کیا خدا تعالیٰ کے نبیوں کے نشانات مٹائے نہیں گئے؟ حضرت داؤدؑ کے بعد بخت نصر نے ساری عمارتیں تہہ و بالا کر دی تھیں اور مسجد اقصیٰ کا نشان تک بھی اس نے نہ چھوڑا تھا مگر ان باتوں سے ہوا کیا؟ بات تو وہ تھی جو موسیٰؑ لایا۔ اور کیا موسیٰؑ کی لائی ہوئی بات آج تک دنیا مٹا سکی؟ پس جہاں تم خدا تعالیٰ پر

یقین رکھو وہاں تم سمجھ لو کہ جن چیزوں کو وہ اسلام کے لئے مفید سمجھے گا انہیں ہر قسم کی تباہی سے بچا لے گا اور جن چیزوں کا تباہ ہونا تمہارے اندر جوش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہوگا ان کی حفاظت سے وہ ہاتھ اٹھا لے گا۔ اور کہے گا یہ عارضی چیزیں ہیں اصل چیز یہ ہے کہ تمہارے اندر وہ مغز پیدا ہو جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کا اصل مقصد ہے۔ تم اس مغز کے پیدا کرنے کی کوشش کرو اور اپنے دماغوں کو ان مصیبتوں پر رونے کے لئے مت لگاؤ جو تم پر پڑیں۔ بلکہ تم اس کامیابی اور کامرانی کے حصول کے لئے تیار ہو جاؤ جو خدا تعالیٰ کے فرشتے تمہارے لئے لے کر کھڑے ہیں۔ تمہارے لئے مشکلات کا آنا ضرور تھا اور میں بار بار تمہیں اِس طرف توجہ دلا چکا تھا۔ کئی لوگ مجھ سے ملتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے خطبات میں جب اس قسم کی باتیں پڑھتے ہیں تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ اتنا مبالغہ کیوں کیا جاتا ہے۔ مگر آج وہ سب کچھ پورا ہوا جو آپ کہتے چلے آ رہے تھے۔ میں نے تمہیں بتایا اور بار بار بتایا کہ مولویوں کی گالیاں کچھ چیز نہیں جب تک کہ تم تلوار کے نیچے ذبح نہیں ہو گے اُس وقت تک تم نبیوں کی جماعتوں کی مانند نہیں بن سکتے۔ ضروری ہے کہ تمہیں دین کے لئے قید کیا جائے، تمہیں دین کے لئے قتل کیا جائے اور تمہیں دین کے لئے اپنی جائیدادوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ چنانچہ دیکھ لو اب تلوار چلائی گئی یا نہیں؟ کئی سو آدمی اب تک ہماری جماعت میں سے مارا جا چکا ہے۔ قادیان میں اِس وقت دس ہزار آدمی موجود ہے اور ان میں سے ہر آدمی قربان ہونے کے لئے تیار ہے۔ اور جہاں تک مادی اسباب کا تعلق ہے یہی نظر آتا ہے کہ ان کو مار ڈالا جائے گا۔ ہاں خدا تعالیٰ کا ہاتھ ان کو بچا سکتا ہے اور ہم اس سے امیدِ کامل رکھتے ہیں کہ وہ قادیان کو بچائے گا۔ مگر اپنی جانیں بچانے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا جلوہ ظاہر ہو۔ ورنہ ہر مخلص اپنی جان دینے کو تیار ہے۔ اور صرف منافق کا دل اس کے سینہ میں دھڑکتا ہے۔ مخلص اور ایماندار اپنے آپ کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے کہ خدا کے فرشتے کے پہرہ میں وہ پھر رہا ہو۔

خلاصہ یہ کہ مَیں نے تم کو ہوشیار کیا اور بار بار کیا مگر تم کہتے رہے کہ یہ ایک شاعرانہ مبالغہ ہے جو کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ مجھے خدا تعالیٰ نے سب کچھ بتا دیا تھا اور خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ کسی نبی کی جماعت ان قربانیوں کے بغیر ترقی نہیں کیا کرتی۔ تم کو بھی خون سے غسل دے دیا گیا ہے۔ اور یہی غسل ہوتا ہے جو آخری غسل ہوتا ہے۔ اگر اب بھی تم سنبھل جاؤ اور اپنے اندر

اصلاح پیدا کرلو تو پھر خدا نئے سرے سے دنیا میں احمدیت کو مضبوطی سے قائم کر دے گا۔ پس تم میں فوری طور پر ایک نئی تبدیلی پیدا ہونی چاہیے۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی تم میں وہ تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو باوجود سب کچھ دیکھنے کے یوں سمجھتے ہیں کہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ گویا یہ ایک خواب تھا جو انہوں نے دیکھا۔ حالانکہ جو واقعات ظاہر ہوئے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ اب نہ تمہیں مال کی پرواہ ہونی چاہیے، نہ جان کی پرواہ ہونی چاہیے اور نہ کسی اَور چیز کی پرواہ ہونی چاہیے۔ کیا جالندھر، گورداسپور، لدھیانہ اور فیروزپور کے لوگوں کو آج سے ایک سال پہلے دس ہزار مولوی بھی قرآن پر قسم کھا کر کہتا کہ تمہاری جائیدادیں تم سے چھین لی جائیں گی تو وہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہو سکتے تھے؟ بلکہ مَیں کہتا ہوں اگر خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر آج سے ایک سال پہلے دس ہزار مولوی بھی یہ کہتا کہ ان لوگوں کی جائیدادیں ان سے چھین لی جائیںگی تو لوگ پھر بھی اعتبار نہ کرتے اور یہی کہتے کہ جھوٹ بول کر خانہ کعبہ کی ہتک کی گئی ہے۔ مگر جو کچھ ہوا وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اتنے بڑے قتلِ عام کی آج تک کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور ابھی یہ رَو رُکی نہیں۔ میرے پاس کئی غیر احمدی رؤساء آتے ہیں اور مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ کو اس کا خاتمہ بھی نظر آتا ہے؟ مَیں اُنہیں کہا کرتا ہوں کہ میں تم کو کیا بتاؤں۔ اگر تم ایک گیند پھینکو تو میں تمہیں بتادوں گا کہ یہ اتنی دور جا کر ٹھہرے گا، اگر تم ایک اینٹ پھینکو تو میں تمہیں بتادوں گا کہ کتنی دور جا کر گر جائے گی۔ مگر یہ انسان کا کام ہے۔ اور انسان کے دماغ میں نئے نئے خیالات اٹھتے رہتے ہیں اگر ایک آدمی دَوڑ رہا ہو تو اس کے متعلق کیا علم ہوسکتا ہے کہ وہ کتنی دور جا کر رُکے گا۔ بے جان چیز کو دیکھ کر تو ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے مگر جاندار میں چونکہ نئے نئے احساسات پیدا ہوتے رہتے ہیں اس لئے اس کے متعلق کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خدائی سنت ہے اور تمام دنیا کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ایسے دَور لمبے نہیں چلتے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری سنت یہ ہے کہ ایسے ظالم ضرور سزا پاتے ہیں اور خدا ان کی تباہی کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی اندرونی یا بیرونی سامان پیدا کر دیا کرتا ہے۔ مگر یہ دنیاداروں کی باتیں ہیں۔

ہمارے سامنے صرف یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ خدا نے ایک پیغام ہمارے سپرد کیا ہے اور مرنے سے پہلے اُس پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ جس دن یہ روح تم میں

پیدا ہو جائے گی اُس دن خدا تمہیں نظر آ جائے گا۔ جس دن یہ روح تم میں پیدا ہو جائے گی اُس دن فرشتے تم سے باتیں کریں گے۔ جس دن یہ روح تم میں پیدا ہو جائے گی اُس دن دنیا کی محبت تم پر سرد ہو جائے گی۔ جس دن یہ روح تم میں پیدا ہو جائے گی اُس دن موت تم کو خوشکن چیز نظر آئے گی۔ اسی طرح جس طرح صحابہؓ کو نظر آئی۔ پس اپنے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ خدا نے تم کو ایک بہت بڑے کام کے لئے پیدا کیا ہے اور جب تک وہ کام پورا نہیں ہو جاتا تمہاری زندگی بالکل عبث ہے۔ جب آقا اپنے خادم کو کہتا ہے کہ جاؤ اور فلاں کام کرو تو اُس وقت اگر اس کی بیوی اسے کوئی اَور کام بتاتی ہے تو وہ اس کی بات نہیں مانتا۔ مگر وہ آقا تو ایسا ہوتا ہے کہ پندرہ یا بیس روپے دینے والا ہوتا ہے اور یہاں وہ آقا ہے جس نے ہمیں بھی پیدا کیا اور ہمارے باپ دادا کو بھی پیدا کیا اور ان کے باپ دادا کو بھی پیدا کیا اور جو ہماری آئندہ نسلوں کو بھی پیدا کرے گا اور جس نے اس دنیا میں بھی ان سب کی پرورش کی اور ان کو اپنی ربوبیت کے فیضان سے حصہ دیا اور جو مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ اَبدالآباد کی زندگی میں اچھا سلوک کرے گا۔ ایسے آقا کو کون چھوڑ سکتا ہے؟ ایسے آقا کی آواز سے کون منہ موڑ سکتا ہے؟ کاش! تم اس نکتہ کو سمجھ لو۔ پھر تمہارے لئے فکر کی کوئی بات نہیں۔ پھر احمدیت کی فتح اور جلد ہی فتح یقینی اور قطعی ہے۔''

(الفضل 5 اکتوبر 1947ء)

1: حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 595